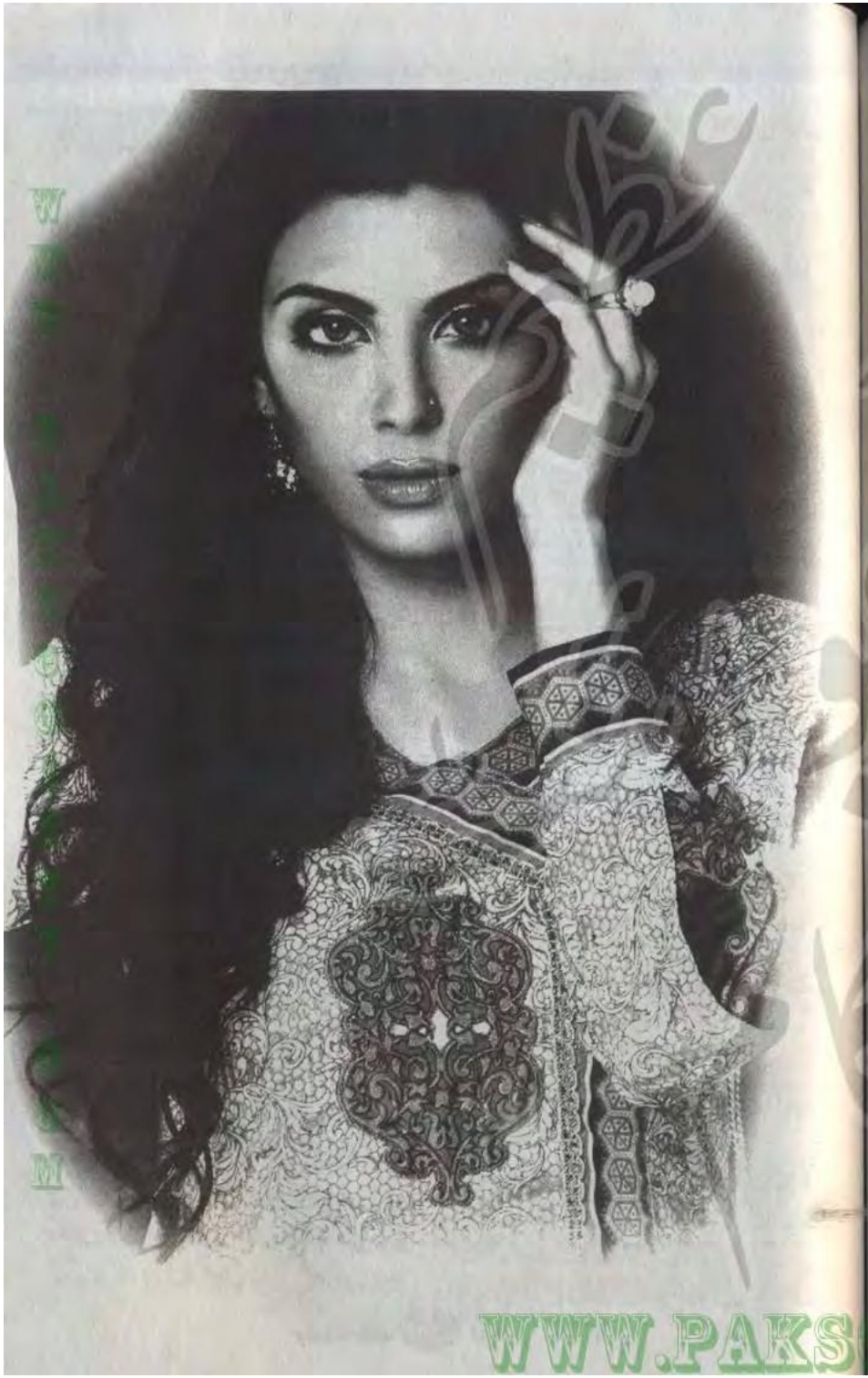

دو لگیں گے

خالدہ نثار

وہ رات بے حد طویل تھی، سیاہ تھی اور سرد تھی اور وہ اسی طویل، سیاہ اور سرد رات میں تنہا کھڑا اپنے زندگی میں اچانک آ جانے والے طوفان پر ششدر کھڑا تھا، اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں تھیں اسے لگتا تھا اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، زندگی اسے ایک عجیب دوراہے پر لے آئی تھی، اسے فیصلہ کرنا تھا اور ابھی کرنا تھا، دو چیزیں دو راستے، ایک دوسرے سے بالکل الگ اور مختلف سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو چکا تھا، مگر جوں جوں رات بیت رہی تھی فیصلے کا وقت بھی قریب آتا جا رہا تھا، اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا، دکھتی آنکھوں کو انگلیوں سے دبایا اور پھر جیب میں موجود سیل نکال لیا تھا، نمبر ملا کر سیل کان سے لگائے وہ دوسری طرف سے آنے والی آواز کا منتظر تھا، چند لمحوں بعد ہی دوسری طرف سے

ناولٹ

فریش سی آواز گونجی تھی، اس نے انتہائی مختصر الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا، اس نے دل کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

وہ جس وقت تھانے کی حدود میں داخل ہوئی سہ پہر ڈھل رہی تھی، بنچ پر بیٹھے اونگھتے سپاہی کی آنکھیں اسے دیکھتے ہی چوپٹ کھلیں تھیں۔

"السلام علیکم!" اس کے سلام کرنے پر کرسی پر بیٹھے ایس ایچ او نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لینے کے بعد جواباً سر ہلا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میرا نام جیا فاروق احمد ہے۔" کرسی پر بیٹھ کر اس نے بہت اطمینان سے اپنا تعارف کروایا تو ان دونوں سے ذرا فاصلے پر سول کپڑوں میں ملبوس اے ایس پی ضرغام عباس

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اس پر ڈالی تھی اور پھر سے اپنے سامنے کھلی بوسیدہ سی فائل کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

"جی مس جیا ہم کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟" لڑکی کو دیکھ کر ایس ایچ او کا لہجہ کچھ زیادہ ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔

"مجھے ایف آئی آر کٹوانی ہے۔" جیا نے اسی اعتماد سے جواب دیا تھا۔

"اچھا کس کے خلاف؟" ایس ایچ او فضل نے بہت اطمینان سے پوچھا، اس بات سے بے خبر کے ابھی چند لمحوں میں اس کا سارا اطمینان و سکون غائب ہونے والا ہے۔

"اعظم شہریار کے خلاف۔" وہ بہت سکون سے بتا کر اب اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے بیٹھی تھی۔

"جی کس کے خلاف؟" ایس ایچ او فضل کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے، ایس پی ضرغام عباس نے بھی بہت چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"سابق صوبائی وزیر اور موجود ایم این اے اعظم شہریار کے خلاف۔" اس نے دوبارہ ذرا تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"میم آپ ہوش میں تو ہیں؟" ایس ایچ او فضل کا خوشگوار لہجہ لمحوں میں طنزیہ ہوا تھا۔

"جی ہاں بالکل ہوش و حواس میں ہوں اور چاہتی ہوں کے آپ میری کمپلین درج کریں اور اس پر ایکشن لیں۔"

"اچھا کس جرم میں؟"

"مجھے اور میری فیملی کو ہراساں کرنے، میرے ساتھ بدتمیزی کرنے اور ہمیں بلیک میل کرنے کے جرم میں۔" ایس ایچ او فضل نے آگے ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جو سوال کیا تھا اس کا جواب اس نے بالکل اسی طرح آگے ہو کر اور پر اعتماد انداز میں اس کی طرف دیکھتے دیا تھا۔

ایس پی ضرغام عباس بھی فائل بند کر کے اب ان دونوں کی طرف متوجہ تھا۔

"دیکھیں مس!" چند لمحوں بعد انسپکٹر فضل نے ایک طویل سانس خارج کر کے کہا تھا۔

"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔"

"کیا بات کر رہے ہیں آپ ایس ایچ او صاحب۔" اس کی پیشانی لمحوں میں سکڑی تھی۔

"قانون کے رکھوالے ہو کر آپ ایسی بات کیسے کر سکتے ہیں۔"

"دیکھیں میڈم ہماری بھی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔" ایس ایچ او فضل کا انداز بے بس سا تھا۔

"جی بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں، آپ کی مجبوریوں کو۔" اس کے گہرے طنز پر وہ پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

"جانتی ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں گی کے آپ کا مطالبہ ماننا ہمارے بس کی بات نہیں۔"

"تو اس کا مطلب آپ انکار کر رہے ہیں؟" اس کا سوالیہ انداز بہت تیکھا تھا۔

"ایک منٹ میڈم، آپ ذرا ریلیکس ہو کر بیٹھیں، ہم ابھی اعظم صاحب سے رابطہ کر لیتے ہیں جو بھی ایشو ہے مل بیٹھ کر حل کر لیتے ہیں۔" ایس ایچ او فضل کا انداز مصالحانہ تھا۔

"آپ میرے سوال کا جواب دیں آپ میری کمپلین درج کریں گے یا نہیں۔"

"دیکھیں مس مسئلہ کمپلین درج کرنے کا نہیں ہے، لیکن اس کے بعد پھر آپ کے اپنے لئے بھی بہت سے مسئلے کھڑے ہو جائیں گے۔" ایس ایچ او فضل نے نجانے در پردہ اسے سمجھایا تھا

یا دھمکایا تھا۔

"یہاں انصاف ملنا آسان نہیں ہے مس جیا فاروق احمد۔" اب کے وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ قانون کی کرسی پر بیٹھ کر آپ اس طرح کی بات کر رہے ہیں اور اگر انصاف ملنا مشکل ہے تو پھر آپ جیسے لوگوں کو یہاں کیوں بیٹھایا گیا ہے گھر کیوں نہیں بھیج دیا جاتا، جب آپ اور آپ کا قانون کسی مصیبت زدہ کی مدد ہی نہیں کر سکتا تو آپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔" اس کے تلخ انداز پر ایس ایچ او فضل کا چہرا سرخ ہوا تھا۔

"آپ حد سے بڑھ رہی ہیں میڈم۔"

"آپ میری کمپلین درج کریں گے یا نہیں۔" اس کے دوٹوک پوچھنے پر جواب بھی دو ٹوک آیا تھا۔

"او کے۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا، کندھے سے لگایا اور واپس مڑی تھی۔

"ایک منٹ مس جیا۔" اس کے پیچھے ایک بھاری آواز گونجی تھی۔

☆☆☆

اس کی بات پر اس کی ماں نے بہت غصیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔

"کیا ملے گا تجھے یہ سب کر کے، سوائے اپنا تماشہ آپ بنانے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"نہیں خالہ بات بہت آگے جا چکی ہے، اب خاموش بھی تو نہیں رہا جا سکتا تھا۔" سامعیہ اگر اندر سے خود بھی پریشان تھی مگر ان پر ظاہر کیے بنا اس نے جیا کی سائیڈ لی تھی۔

"اب کچھ نہ کچھ تو ہو جائے گا۔"

"اچھا کیا وہ شخص پکڑا جائے گا؟" اس کی ماں نے سوال سامعیہ سے کیا تھا اور طنزیہ نظر اس

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلیئے .... ☆
نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
خط انشاء جی کے .... ☆
اس بستی کے اک کوچے میں .... ☆
چاند نگر .... ☆
دل وحشی .... ☆
آپ سے کیا پردا .... ☆

ڈاکٹر مولوی عبد الحق
قواعد اردو .... ☆
انتخاب کلام میر .... ☆

ڈاکٹر سید عبد للہ
طیف نثر .... ☆
طیف غزل .... ☆
طیف اقبال .... ☆

لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 3710797، 042-37321690

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر ڈالی تھی جو بہت اطمینان سے دال چاول کھانے میں مصروف تھی۔

"بالکل خالہ۔" سامعیہ نے گلاس اور پانی کی بوتل جیا کے آگے رکھتے سر ہلایا تھا۔

"میں تو تجھے بڑا سمجھدار سمجھتی تھی سامعیہ بچے پر لگتا ہے تو بھی دیوانے کے خواب دیکھنے والوں میں سے ہے۔"

"تو کیا ہم ظلم پر خاموش ہو کے بیٹھ جائیں، انصاف نہ مانگیں۔" اس کی خاموشی ٹوٹی تھی اور اماں کے غصے کا گراف بلند ہونا شروع ہوا تھا۔

"لو جی پاس نہیں دانے، خالہ چلی بھنانے، انصاف نہ مانگیں، انصاف نہ ہوا بھنڈی ہوگئی جو لینے چلی ہیں، گھر میں کھانے کو روٹی نہیں، باپ بیماریوں کی پوٹ بنا چارپائی پر لیٹا ہے، ماں دو جمع دو کر کے وقت گزار رہی ہے اور یہ چلی ہیں انصاف لینے او بی بی، ہم ابھی پاکستان میں ہی ہیں، لندن، امریکہ شفٹ نہیں ہوئے۔"

"خالہ اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔" سامعیہ نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں بیٹا جو ہونا تھا ہو چکا اب تو بس بھگتان بھگتنا باقی ہے۔"

☆☆☆

"تمہیں نہیں لگتا تم نے جذبات میں آ کر غلط قدم اٹھایا ہے؟" رات کو بستر پر لیٹے لیٹے سامعیہ نے سوال کیا تھا، وہ جو رخ موڑے سونے کی کوشش کر رہی تھی جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھی۔

"غلط قدم؟ کیا میرا انصاف مانگنا غلط ہے یا اس ذلیل انسان کے چہرے پر پڑا نقاب الٹ کر اس کا مکروہ چہرا سب کے سامنے لانا غلط ہے۔" اس کے انداز پر سوال پر سامعیہ نے گہری سانس بھری تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے جیا انصاف اتنی جلدی اور آسانی سے مل جایا کرتا ہے۔"

"کوشش تو کی جا سکتی ہے ناں۔" اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا تا، سامعیہ کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ چھلکی تھی۔

"نہیں جیا، یہاں انصاف مانگا نہیں جاتا خریدا جاتا ہے اور ہم جیسے لوگ کبھی انصاف کی قیمت نہیں چکا سکتے۔"

"تو کیا مایوس ہو کے بیٹھ جائیں ہار مان لیں۔" اس کے سوال پر سامعیہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔

☆☆☆

"کیا بکواس کر رہے ہو فضل؟" اعظم شہریار کی غضبناک آواز گونجی تو فضل کا سر مزید نیچے ہوا تھا۔

"تم نے میرے خلاف اعظم شہریار کے خلاف ایف آئی آر کاٹی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم تمہیں اور تمہارے قانون دونوں کو جیب میں لئے پھرتے ہیں۔" وہ یہاں سے وہاں چلتے بہت غصے سے بول رہا تھا اور فضل کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"سر میں بہت مجبور ہو گیا تھا اور پھر ضرغام صاحب....." اس نے فقرہ ادھورا چھوڑا تھا، اعظم شہریار بہت بری طرح سے چونکا تھا۔

"تو اس میں ضرغام کا ہاتھ ہے؟" اس کے سوالیہ انداز پر فضل نے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

"ہوں۔" وہ ہنکارا بھرتے خاموش ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ اچھی خاصی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا اس کا ارادہ جلدی گھر پہنچنے کا تھا، وہ اچھا خاصا تھک چکا تھا اور اب گھر جا کر آرام کرنا چاہ رہا تھا۔

مین روڈ سے اس کی گاڑی کالونی کی سڑک

پر مڑی تھی جب ڈیش بورڈ پر دھرا اس کا سیل بجنے لگا تھا، گاڑی سائیڈ پر روکتے اس نے سیل اٹھا کر نمبر دیکھا تھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی، تھکن لمحوں میں اڑتی محسوس ہوئی تھی، بیزاریت شگفتگی میں تبدیل ہوئی تھی، ہوتے ہیں کچھ ایسے لوگ ایسے چہرے، جو ہمارے دل کے اتنے قریب ہوتے ہیں اور ہمارے لئے اتنے اہم ہوتے ہیں، کہ ان کے تصور سے ہی من مندر میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں، جو جینے کی وجہ اور مرنے کا سبب ہوتے ہیں، جن کے بغیر زندگی، زندگی نہیں لگتی، جن سے جڑا رشتہ اور تعلق اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ باقی ہر شے ہی اس کے سامنے ہیچ لگتی ہے تو "مغوی شہریار" بھی ضرغام عباس کی زندگی میں ایسا ہی مقام رکھتی تھی، ضرغام عباس اپنے مضبوط سیاسی بیک گراونڈ رکھنے والے باپ کا اکلوتا بیٹا، وہ اکلوتا بھی تھا، لاڈلا بھی، اس کے باپ نے اس کی پرورش بہت شاہانہ انداز میں کی تھی، وہ اس کی تربیت بھی اپنے اصولوں کے مطابق کرنا چاہتے تھے مگر یہ اس کی ماں تھی، جس نے اس معاملے میں ان کی زیادہ چلنے نہیں دی تھی اور اس کی تربیت اس کے باپ کے اصولوں کے مطابق نہیں انسانیت کے اصولوں کے مطابق کی تھی، وہ اسے صرف ایک کامیاب سیاست دان، وڈیرا یا سردار نہیں ایک بہت اچھا انسان بھی بنانا چاہتی تھیں، وہ صرف اسے دولت کمانے کے طریقے نہیں سکھانا چاہتی تھیں وہ اسے رشتے بنانے اور انہیں نبھانے کا گر بھی سکھانا چاہتی تھی، وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اختیار، طاقت اور دولت غلط چیزیں نہیں ہیں ان کا غلط استعمال غلط چیز ہے، وقت گزرنے کے ساتھ انہوں نے یہ ساری چیزیں اسے سکھائیں تھیں اور اسے ایک اچھا اور ذمہ دار انسان بنانے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا، وقت گزرنے کے ساتھ وہ ایک مہذب انسان ایک فرمانبردار اور ذمہ دار بیٹے کے طور پر سامنے آیا تھا، بابا جان چاہتے تھے کے وہ سیاست میں آئے اور ان کی پارٹی جوائن کرے، مگر یہ وہ واحد بات تھی جو وہ ان کی کبھی نہیں مان سکتا تھا، ویسے بھی سیاست وہ چیز تھی جس میں اس کی سرے سے دلچسپی ہی نہیں تھی، ہاں البتہ زمینوں وغیرہ کے معاملات کو وہ ان کے ساتھ مل کر بہت اچھے طریقے سے دیکھ لیتا تھا اور ساتھ ساتھ اس نے اپنی تعلیم بھی جاری رکھی تھی اور جب اس نے سی ایس ایس کا امتحان دینا چاہا تھا تب زیاد چچا تھے جنہوں نے بابا جان کو منایا تھا، ورنہ ان کی مرضی تھی اور خواہش بھی کے وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے ان کی پارٹی کے یوتھ ونگ کو جوائن کرے، بہر حال زیاد چچا اور بی جان کی کوششوں کے باعث وہ نیم رضامند ہو گئے تھے، زندگی سیدھے سبھاؤ ہی گزر رہی تھی، جب اچانک ایک دن اس نے مغوی شہریار کو دیکھا تھا، وہ اپنی چچا زاد بہن کو کالج ڈراپ کرنے آیا تھا جب اس کی نظر گلابی لباس پہنے اس گلابی رنگت والی لڑکی پر اٹھی تھی اور ٹھہر گئی تھی، ٹھٹک گئی تھی، یہ نہیں تھا کہ اس نے خوبصورت یا حسین چہرے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے، وہ خود بہت ڈیشنگ پرسنالٹی کا مالک تھا اور بہت سی حسین اور طرح دار لڑکیاں اس کی طرف بڑھی تھیں، مگر اس کی طرف سے ہمیشہ تو لفٹ والا تاثر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا کرتا تھا، کیونکہ فلرٹ وہ کرتا نہیں تھا اور محبت جیسا کوئی بھی جذبہ..... اسے ابھی تک اسے چھو کر نہیں گزرا تھا، ویسے بھی وہ ان ساری چیزوں کو وقت کا زیاں سمجھتا تھا، لیکن مغوی شہریار، جس نے اس جیتے بندے کو بھی ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا تھا، وہ کچھ لمحے بنا پلک جھپکے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا تھا،

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوش اسے تب آیا تھا جب وہ اس کے قریب سے گزر کر کالج گیٹ کی طرف بڑھی تھی۔

"ایکسکیوزمی مس۔" وہ قطعی غیر ارادی طور پر اور بے اختیاری کے عالم میں اس کی طرف بڑھا تھا۔

"جی!" وہ پلٹ کر الجھن آمیز تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی اور اب اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یوں اسے روکنے اور مخاطب کرنے کا کیا جواز پیش کرے۔

"وہ..... مجھے..... آپ سے کہنا تھا کہ..... آپ نے گاڑی غلط جگہ پارک کی ہے۔" اِدھر اُدھر نگاہ گھماتے بہرحال اسے ایک بہانہ تو سوجھ ہی گیا تھا، اس لڑکی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر شرمندگی پھیلی تھی۔

"او..... آئی ایم سوری..... ایکچوئلی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے تو..... بس سمجھ نہیں لگی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

"کیوں کیا ہوا آپ کو..... آئی مین اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آپ کو گھر پہ آرام کرنا چاہیے تھا۔" اس کی سادگی بھرے لہجے پر اس نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اور اگر طبیعت خراب ہی گھر والوں کی وجہ سے ہو تو۔" اس لڑکی نے بہت آہستگی سے کہا تھا، مگر بہرحال اس نے سن لیا تھا، مگر بنا ظاہر کیے وہ اسے اپنا تعارف دینے لگا تھا۔

"آئی ایم ضرغام عباس، مغوی شہریار۔" جواباً اس نے اپنا نام بتایا تھا، یہ بھی پہلی ملاقات جو اتفاقیہ تھی، اچانک تھی، مگر آگے ہونے والی کئی ملاقاتوں کا پیش خیمہ بھی تھی، اس دن واپس گھر آئے، آفس جاتے، کام کے دوران، کھانا کھاتے، چائے پیتے، لاشعوری طور پر وہ مغوی شہریار کو سوچے گیا تھا، کیا تھا اس میں ایسا جس نے ضرغام عباس جیسے بندے کو بھی پابند کر لیا تھا یہ حسن نہیں تھا، یہ کچھ اور تھا۔

☆☆☆

بہت جلد وہ ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے تھے، بے تکلفی دوستی میں اور دوستی محبت میں کب بدلی، دونوں کے گھر والوں کو خبر نہیں ہو سکی تھی، جب خبر ہوئی تو خاصا پانی گزر چکا تھا، وہ ضرغام عباس تھا جس کے لئے مغوی شہریار کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی محال تھا اور وہ مغوی شہریار تھی جس نے جب اسے ضرغام عباس کو دیکھا تھا اسے باقی سب کچھ نظر آنا بند ہو گیا تھا، دونوں کا تعلق اچھے اور متمول گھرانوں اور اونچے خاندانوں سے تھا، مسئلہ دولت کا نہیں تھا وہ دونوں خاندانوں کے پاس بے تحاشا تھی، مسئلہ سیاست کا تھا، ضرغام کے بابا جان اور مغوی شہریار کے لالہ اعظم شہریار دو انتہائی مخالف سوچ و نظریہ رکھنے والی جماعتوں سے تھا اور ماضی میں جن لوگوں پر کیچڑ اچھالتے، عزت کنگالتے نہ تھکتے ہوں ان سے ایسی نازک اور قریب کی رشتہ داری، کبھی نہیں، سوچنا بھی نہیں، دونوں طرف سے ایک جیسے حالات یکساں جوابات، وہ دونوں پریشان بھی تھے اور پرامید بھی، محبت ایسی چیز ہے جو بیک وقت انسان کی مضبوطی بھی ہوتی ہے اور کمزوری بھی اور ان دونوں نے بھی اپنے گھر والوں کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا تھا اور بالآخر انہیں مان لیا تھا، دل سے کوئی بھی نہیں مانا تھا مگر بچوں کی خوشی کو یہ کڑوا گھونٹ پینے کو دونوں تیار ہو گئے تھے، دونوں پر ہی اپنی اپنی پارٹی کی طرف سے غم و غصے کا اظہار کیا گیا تھا اور دونوں ہی ہمہ وقت اس دھوم دھام سے ہونے والی منگنی کو ختم

کرنے کی سوچوں میں گم رہتے تھے۔

☆☆☆

وہ بہت فریش موڈ کے ساتھ گھر لوٹا تھا جب اسے اعظم شہریار کی آمد کی اطلاع ملی تھی، بابا جان ان دنوں اسلام آباد میں تھے، بی جان بھی ان کے ہمراہ تھیں، ڈرائنگ روم میں اعظم شہریار کی میزبانی کو زیاد چچا موجود تھے۔

"السلام علیکم۔" سنجیدہ سے لہجے میں دیئے گئے سلام پر اعظم شہریار نے اپنی بات روک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر پرجوش سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آیئے آیئے ضرغام صاحب، آپ تو ہمارے لئے عید کا چاند ہی ہو گئے، اب ایسی بھی کیا فرض شناسی کے انسان اپنوں کو ہی بھول جائے۔" اسے گلے لگاتے اس نے در پردہ جو جتانے کی کوشش کی تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"بس کیا کیجئے سر، بچپن سے سیکھا ہی یہی ہے کہ فرض اور قرض ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں برتنی چاہیے۔" اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے اس نے بھی مسکرا جواب دیا تھا۔

"درست سو فیصد درست کہا آپ نے ضرغام صاحب، میں خود قرض رکھنے والوں میں سے نہیں ہوں جب تک سود سمیت چکا نہ دوں، چین نہیں پڑتا۔" سگریٹ سلگاتے وہ در پردہ اسے دھمکا بھی رہا تھا، جواباً وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہولے سے مسکرایا تھا، اعظم شہریار کچھ دیر ہی مزید بیٹھا تھا، جاتے سے اس سے مصافحہ کرتے اس نے ایک ہی جملہ بولا تھا۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا داماد صاحب۔" اور پھر آگے بڑھ کر اپنی پجارو میں بیٹھ گیا تھا، وہ چند لمحے وہیں کھڑا دیا پھر سر جھٹک کر اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے تیزی سے چلتے قلم کو ریسٹ دی اور ہاتھ بڑھا کر کب سے بجتے لینڈ لائن کا ریسور اٹھایا تھا۔

"کہتے ہیں انسان کو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے، کیونکہ بنا سوچے سمجھے اٹھائے گئے قدم میں غلطی کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔" دوسری طرف سے ٹھنڈے لہجے اور سرد انداز نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"غلطی کرنے کی ہمت ہو تو نقصان اٹھانے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے، غلطی آپ نے کر لی ہے نقصان ہم کیے دیتے ہیں۔" دھمکی آمیز لہجہ اس لمحوں میں آتش فشاں بنا گیا تھا۔

"بکواس بند کرواپنی اور یہ جو تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو ناں بختیار علی اور جس کی ہلہ شیری پر کر رہے ہو تو جان لو کہ میں اپنے دل میں اگر کسی کا خوف رکھتی ہوں تو وہ ذات صرف میرے رب کی ہے، انسان کی اتنی اوقات نہیں ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور یہ بھی یاد رکھنا مراد بی بی کو انصاف مل کر رہے گا، تمہارے پیچھے ایک چھوڑ دس بھی اعظم شہریار آجائیں تب بھی نہ میں ڈروں گی نہ ہی سچ کو دنیا کے سامنے لانے سے جھجکوں گی، بس تم کل کے اخبار کا انتظار کرنا۔" غصے سے کہتے وہ ایک لمحے کو رکی تھی۔

"ہاہاہا، یہی تو مسئلہ ہے آپ کا جیا بی بی آپ خیالی دنیا میں رہتی ہیں، کتابی باتیں کرتی ہیں اور اس کل کے سپنوں میں رہتی ہیں جو کبھی نہیں آنے والا، ایک بات یاد رکھیے گا جیا بی بی، آج ابھی اور اسی لمحے سے زندگی آپ پر تنگ ہونا شروع نہ ہو گئی تو میرا نام بھی بختیار علی نہیں ہے، بہرحال اعظم صاحب کا ایک پیغام پہنچانا تھا آپ تک، کہ انہیں نڈر لوگوں کے ساتھ کھیلنے میں مزہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

آتا ہے، آپ کے ساتھ کھیلنے میں بھی مزہ آئے گا، ویسے بھی شروعات آپ نے کر ہی دی ہے اختتام وہ کردیں گے۔"

☆☆☆

اس کا تعلق لوئر مڈل کلاس گھرانے سے تھا، اس کے ماں باپ سفید پوش لوگ تھے، جن کے پاس عیش کرنے کو باپ دادا کی دولت نہیں تھی، اس کے باپ نے ساری زندگی محنت سے رزق حلال کماتے گزاری تھی اور اس کی ماں نے اس کے باپ کا بھرپور ساتھ دیتے، صبا اور جیا دو بیٹیاں قدرت نے دی تھی اور انہوں نے قدرت کے اس تحفے کی دل سے قدر کی تھی، اپنی اولاد کو وہ زیادہ شاہانہ طرز زندگی اور عیش وعشرت تو نہیں دے سکے تھے، اچھی تعلیم وتربیت ضرور دے دی تھی، ان کے باپ نے بڑی دل جمعی سے اپنی سچائی اور ایمانداری کے سبق پڑھائے تھے اور انہوں نے بہت دلچسپی سے یاد کیے تھے، صبا کی شادی کے بعد اس کے ابو اچانک بیمار پڑ گئے تھے اور ایسے پڑے تھے کہ تاحال ٹھیک نہیں ہو پائے تھے، نوکری چھوٹی، رشتے دار، جاننے والے، منتیں کترانے لگے، ادھار چڑھا، حالات مشکل تھے پھر مشکل ترین ہو گئے، اس نے بمشکل ہی تعلیم مکمل کی اور میدان عمل میں اتر آئی، ایک اچھی کمپنی کے ساتھ وابستہ ہوئے۔

اب تو چار سال ہو گئے تھے، جاب کے ساتھ ساتھ وہ لکھتی بھی تھی اور ایسا لکھتی تھی کے بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے، سچائی کے کاغذ پر اس کا قلم ایمانداری سے چلتا تھا اور کہیں راز سرعام فاش ہو جاتے تھے، دھمکیاں اور ڈروے، اسے خوفزدہ نہیں کر پاتے تھے، کیونکہ اس کا ایمان مکمل تھا۔

لالچ، خوشامد، اس کے قلم کو روک نہیں پاتے تھے، اس کا وژن بڑا اور سوچ مضبوط تھی، ارادے پختہ تھے اور کردار اعلیٰ، اماں کو اس پر فخر بھی بڑا تھا، مگر جب اس کے قلم کی نوک ذرا زیادہ تیکھی ہو جاتی اور گھر کے فون کی گھنٹیاں مسلسل بجتی تو اماں ہوتی، غصہ دکھاتی، محتاط ہونے کے مشورے اور نصیحتیں اور ڈھیر ساری دعائیں، اس کے پلو سے باندھتی، زندگی یونہی رواں دواں تھی یعنی کبھی نرم کبھی گرم جب اس کے ہاتھ اعظم شہریار کی کچھ غیر قانونی سرگرمیوں کے ثبوت لگے تھے اور انہی دنوں آفس میں، اس سے مراد بی بی ملنے چلی آئی تھی، مراد بی بی عمر پچیس سال، غریب والدین اور کمزور بیک گراؤنڈ، وہ اعظم شہریار کے دست راست بختیار علی کی بربریت کا نشانہ بنی زخم زخم تھی اور انصاف کی متلاشی بھی، کہانی نئی نہیں تھی مگر جیا فاروق کے لئے اعظم شہریار کا روعمل نیا تھا، حیران کن تا اور افسوناک تھا، وہ صوبائی سطح پر وزیر قانون تھا اور اسی کے خاص بندے کے ہاتھوں مراد بی بی کی عزت کے ساتھ ساتھ قانون کی بھی دھجیاں بکھیری تھی، جب وہ مراد بی بی کو ساتھ لئے اس وزیر قانون کے پاس پہنچی تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او بہت افسوس ہوا یہ سب سن کر۔" وہ اس کے پاس اس کے ایک اہم بندے کی شکایت لے کر آئی تھی اسے کتنا افسوس ہوا تھا یہ اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا۔

"بہرحال آپ اطمینان رکھیے جیا بی بی، میں خود اس تمام واقعے کی تحقیق کراؤں گا اور اگر بختیار واقعی گناہ گار ہے تو اسے سزا ضرور ملے گی، بختیار واقعی ملزم تھا اور یہ بات اس کے ساتھ ساتھ اعظم شہریار بھی جانتا تھا، مگر اس نے بختیار کو کیا سزا دی تھی وہ یہ نہیں جانتی تھی اسی لئے جاننے ایک بار پھر اس کے روبرو بیٹھی تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ بختیار سے غلطی ہوئی ہے اور میں اس مراد بی بی کے نقصان کا ازالہ کرنے کو تیار ہوں پوچھیے آپ اس سے کتنی رقم چاہیے اسے۔" جیا کو لگا اس نے لاپرواہ لہجے میں وہ سب نہیں کہا تھا بلکہ اس کے اور ان سارے کتابنوں کے منہ پر طمانچہ مارا تھا جو ایسے لالچی، خودغرض، کرپٹ، ظالم اور بے حس لوگوں کو منتخب کرکے ایوانوں میں بھیجتے ہیں وہ وہاں سے خاموشی سے اٹھ ضرور آئی تھی مگر پھر خاموش رہ نہیں پائی تھی۔

اس سے اگلے دن ہی اخبار میں اعظم شہریار کے غیر قانونی کاموں اور اڈوں کا ذکر آیا تھا، بختیار علی کے خلاف ایف آئی آر درج ہوئی تھی اور ان کے گھر پہلا دھمکی آمیز فون آیا تھا، پھر یہ چیزیں معمول کا حصہ بنی تھیں، اعظم شہریار اور ان کے در پردہ کاروبار کی تفصیلات، اخبار میں آئی اور دھمکیاں جیا فاروق کے گھر، باقی رہی پولیس، تو وہ بے بس تھی، اعظم صاحب خاموش تھے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بے بس تھے، وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ایک معمولی اخباری رپورٹر ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے، وہ تو کچھ نہیں بگاڑ سکی۔

☆☆☆

"چل مائی جوان جہان بیٹی کی میت پر رونے کی تیاری پکڑ لے، کیونکہ اب اس کے پاس گنتی کے ہی دن رہ گئے ہیں۔" یہ تھی وہ آخری دھمکی یا وارننگ جو اماں کو ملی تھی، جس نے اماں کو واقعی خوفزدہ کر دیا تھا اور اسے تھانے میں جا کر کمپلین کرنے پر مجبور۔

☆☆☆

بلیک پینٹ پر سفید شرٹ پہنے نک سک سے تیار وہ مغوی سے ملنے جا رہا تھا، گاڑی سے اترتے ہی اس کی نظر اپنی مخصوص جگہ پر پڑی تھی اور اس کے سرخ لبوں پر جاندار سی مسکراہٹ آ گئی تھی، سفید اور گلابی کنٹراسٹ میں اپنے سیاہ ریشمی بالوں کی اونچی سی پونی بنائے حسین چہرے پر دلکش مسکراہٹ لئے وہ پہلے سے وہاں موجود تھی، اتنی دیر اس نے مصنوعی خفگی سے پوچھا تو اس نے بائیں ہاتھ سے ہلکے سے کان کی لو کو چھوا تھا۔

"معافی؟" اس کے لہجے میں بے چارگی بھری تھی۔

"ایسے تو ہرگز نہیں ملے گی۔" مغوی نے کہتے ہوئے قدم بڑھائے تھے۔

"تو؟" وہ اس کے قدموں سے قدم ملانے لگا تھا۔

"پہلے لیٹ ہونے کی وجہ بتاؤ۔" اس نے اردگرد کھلے پھولوں سے نگاہ ہٹا کر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"یار بابا جان کے کچھ اہم مہمان آ گئے تھے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک سرخ گلاب توڑتے ہوئے وجہ بتائی تھی اور پھر گلاب اس کی طرف بڑھایا تھا، سرخ گلاب جو محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے وہ محبت جس کے وجود کا قائل وہ تب ہوا تھا جب اس نے مغوی شہریار کو دیکھا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے میں ان لمحوں کو اپنی مٹھی میں مقید کر لوں۔" مغوی کی بات پر وہ مسکرایا تھا۔

"اور میرا دل چاہتا ہے وقت یہی کہیں رک جائے، لمحے ٹھہر جائیں اور ہم دونوں یونہی ایک ساتھ چلتے رہیں اور یہ پل امر ہو جائیں۔" اس نے محبت بھری نگاہ اپنے ساتھ چلتے وجود پر ڈالی تھی اور طمانیت بھری سانس اس کے لبوں سے خارج ہوئی تھی، وہ دونوں اب بھی ایک ساتھ چل رہے تھے۔

☆☆☆

وہ بمشکل ہی اماں سے اجازت لے کر آفس

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہنچی تھی، اماں ہرگز ہرگز اسے گھر سے نہیں نکلنے دے رہی تھی۔

"اچھا چلیں ٹھیک ہے نہیں جاتی میں آج آفس، کل بھی نہیں جاؤں گی مگر پرسوں اس سے اگلے دن، کیا نوکری چھوڑ دوں اماں؟ زندگی چھپ چھپا کر رکھنے والی چیز نہیں ہے اماں، یہ امانت ہے اور جس کی امانت ہے اس کے بغیر اجازت کوئی نہیں لے سکتا، ہر کسی کے آنے اور جانے کا وقت مقرر ہے میرا بھی ہے ارو جب آئے گا کوئی روک نہیں پائے گا کہ آپ نہ میں نہ یہ چار دیواری اور یہ تب آئے گا جب اس کی مرضی ہوگی۔" اب اماں مزید کیا کہتی خفگی سجا چہرا لے کر باورچی خانے میں چلی گئی اور وہ با آواز بلند سب کو خدا حافظ کہتے باہر کی طرف بڑھ گئی، اسے آئے بمشکل آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا جب افتخار صاحب نے یاد کرلیا تھا۔

"مے آئی کم ان سر۔" دروازہ کھولے سر اندر ڈالے وہ اجازت طلب کر رہی تھی، انہوں نے پہلے سر اٹھایا پھر ہلایا، وہ اندر آ گئی۔

"بیٹھو۔" کہنے کے بعد وہ خاموش تھے اور وہ ان کے بولنے کی منتظر۔

"جیا! اگر تمہیں موجودہ جاب سے زیادہ اچھی جاب ملے گی تو مجھے خوشی ہوگی کیونکہ موجودہ جاب کو Countinew کرنا اب تمہارے لئے ممکن نہیں اور ہمارے لئے سود مند نہیں۔" صاف اور دوٹوک انداز، وہ حیران بھی نہ ہو پائی تھی، کجا کہ اپنی غلطی پوچھتی۔

بختیار علی نے کہا تھا زندگی اس پر تنگ ہوتی جائے گی اس نے ٹھیک کہا تھا، جاب سے اسے نکال دیا گیا تھا اور مزید کہیں جاب اسے کرنے نہیں دی جا رہی تھی، مختلف جگہوں پر اس نے انٹرویو دیا، مگر نتیجہ ایک سا رہا، انٹرویو ٹھیک ٹھاک ہوتا اور مالکان کا رویہ حوصلہ افزا، اگلے دن حال کھرا جواب دے دیا جاتا، ان ہی حالات میں ایک دن مراد بی بی سے ملنے اس کے گھر آئی تھی اور اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی، مراد بی بی اور اس کے گھر والوں نے اس سے ملنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

☆☆☆

"مے آئی کم ان سر!"

"ہاں ہاں ضرغام آؤناں، بیٹھو۔" ہارون اطہر نے خوشگوار لہجے میں کہا تھا۔

"تھینک یو سر!" فل یونیفارم میں موجود ضرغام مسکراتے ہوئے ان کے روبرو بیٹھا تھا۔

"ہاں بھئی جوان کیس کہاں تک پہنچا؟"

"سر بہت سارے نئے اور اہم پہلو ملے ہیں، جس سے کیس میں بہت اہم پیش رفت ہوئی ہے اور وہ دن اب دور نہیں جب ہمارے ہاتھ مجرموں کی گردنوں پر ہونگے۔" اس کے لہجے میں موجود عزم اور امید دونوں ہی ہارون اطہر کو بھائے تھے۔

"گڈ، مجھے تمہاری صلاحیتوں پر پورا بھروسہ تھا ضرغام اسی لئے میں نے یہ کیس تمہارے حوالے کیا تھا۔"

"اٹس آنر فار می سر!" اس نے ذرا سا گردن کو خم دیا۔

"مگر اس چھ لوگوں کے گروپ میں تمہارے متوقع سالے کا بھی نام ہے؟" انہوں نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"میں رشتے داریاں اور تعلقات اپنے فرض پر حاوی نہیں ہونے دیتا سر۔" اس کے مضبوط لب و لہجے نے ایک بار پھر ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

"کہیں ایک وجہ آپ کے والد صاحب

ہوئے تو؟"

"میرا جواب پھر پہلے والا ہی ہوگا سر۔"

"گڈ، تو پھر ٹھیک ہے تم شام کو فائل تیار رکھنا، ڈی آئی جی صاحب نے شام کو یاد فرمایا ہے۔" ہارون اطہر نے بات سمیٹی تھی۔

"او کے سر، پھر میں چلوں۔" وہ اٹھ کر ان سے مصافحہ کرنے لگا تھا۔

"او کے اللہ حافظ۔"

وہ ہارون اطہر سے ملاقات کر کے آ رہا تھا جب گاڑی آفس کے راستے پر ڈالتے اس کی نظر سڑک کنارے کھڑی جیا فاروق پر پڑی تھی اور پاؤں بریک پر۔

"مس جیا فاروق۔" پکار پر اس نے سر اٹھایا تھا۔

"پلیز آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" ذرا سا بائیں طرف جھکتے اس نے دروازہ کھولتے کہا تھا۔

"نو تھینکس، میں چلی جاؤں گی، بس آنے ہی والی ہے۔" رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے اس نے سہولت سے انکار کیا تھا۔

"بس پتہ نہیں کب آئے گی، آپ آ جائیں، ویسے بھی یہاں کھڑے ہونا مناسب نہیں۔" اس کے اصرار اور آس پاس کھڑے مہذب افراد کی نظروں نے اسے لفٹ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تھینک یو۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔

"ویلکم۔" وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔

"یہ بتایئے آپ کے کیس کا کیا بنا؟" موڑ کاٹتے اس کے سوال اس کے سامنے رکھا تھا۔

"یہ تو آپ کو پتہ ہوگا، کمپلین کرنا میرا کام تھا اور۔"

"ایکشن لینے تو آپ کا کام تھا۔" اس کے چبھتے انداز پر وہ ایک لمحے کو چپ رہ گیا تھا۔

"صحیح۔" اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"مگر یہ بات تو آپ بھی جانتی ہیں ایسے لوگوں کے خلاف ایکشن لینا بھی اتنا آسان نہیں ہوتا۔" ضرغام کی بات پر اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ آ رکی تھی۔

"جانتی ہوں ضرغام صاحب، سب جانتی ہوں بلکہ میں ہی کیا اس ملک کی ساری عوام جانتی ہے، ہر چیز جانتی ہے، سارے چہرے پہچانتی ہے، کون سا ایسا راز ہے جو اس سادہ عوام کو نہیں پتہ مگر مسئلہ پتہ ہے کیا ہے، ہمیں انجان نظر آنے بے خبر رہنے اور بیوقوف بننے میں اب مزہ آنے لگا ہے۔" کہہ کر وہ تلخی سے مسکرائی اور باہر سڑک پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اعظم شہریار کے ڈرائنگ روم میں سے ابھی ابھی اس کے دو بہت اہم اور خاص الخاص مہمان اٹھ کر گئے تھے اور وہ خوش تھا کہ وہ اس سے خوش ہو کر گئے تھے، یعنی نوازنے کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہونے والا تھا، اس کی پارٹی اپوزیشن میں تھی لیکن آنے والے دنوں میں حکومتی پارٹی سے اتحاد متوقع تھا اور پارٹی کی طرف سے حکومت میں شمولیت کے بعد نامزد وزرا میں اس کا نام بھی شامل تھا، وہ خوش تھا اور آنے والے دنوں کے تصور بلکہ خوش کن تصور میں کھویا ہوا تھا، کہ ٹیبل پر رکھے سیل کی بجتی ٹون نے اس کے خیالات کے تسلسل کو توڑا تھا، ہاتھ بڑھا کر سیل اٹھاتے وہ نمبر دیکھتے ہی سیدھا ہوا تھا، یس کا بٹن دباتے وہ سیل کان سے لگائے دوسری طرف سے ملنے والی ہدایات سننے میں مشغول تھا، جس میں اسے علی الصبح ہی اسلام آباد پہنچنے کا کہا گیا تھا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈی آئی جی سے ملاقات کے بعد اس نے ہارون اطہر کو ان کے گھر ڈراپ کیا تھا گھر آیا تو بابا جان اور بی جان واپس آچکے تھے۔

"ضرغام کتنے کمزور ہوگئے ہو تم؟" بی جان سے جھک کر مل کر وہ سیدھا ہوا تو انہوں نے غور سے اسے دیکھتے کہا اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"بی جان چار دنوں میں، میں کتنا کمزور ہو سکتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ کر ان کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

"خیال جو نہیں رکھتے اپنا کیا خیال ہے خیال رکھنے والی کو اب لے آئیں ناں۔" انہوں نے کھوجتی سی نظر ڈال کر پوچھا تھا، اس نے سر جھکایا، یہ اس کی طرف سے رضامندی کا اشارہ تھا، مگر صرف اس کی رضامندی ہی تو کافی نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے عنوی کو اب اس گھر میں آ جانا چاہیے۔" رات کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کے وہ سبز چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب بی جان نے اپنا خیال بابا جان کے آگے رکھا تھا، انہوں نے ایک پل کو نظر اپنے سیل کی چمکتی سکرین سے ہٹائی ان دونوں کے چہروں کے ساتھ بی جان کے خیال پر ڈالی اور پھر سے سابقہ جگہ پر جمادی تھی۔

"پھر کیا کہتے ہیں آپ؟" بی جان نے خالی کپ میز پر رکھا اور سوال بابا جان کے آگے۔

"ہوں سوچتے ہیں کچھ، دیکھتے ہیں۔" بابا جان نے پرسوچ انداز میں کہا تھا اور وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

تھکن اور مایوسی اس کے قدموں سے لپٹی تھی جب اس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا، سامعیہ نے اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی بھری تلخی کو دیکھا، تاسف سے سر جھٹکا اور اس کے لئے پانی لینے چل دی تھی، اہا کو سلام کر کے اس نے کندھے سے بیگ اتار کر میز پر رکھا اور چارپائی پر ڈھیر ہوئی۔

"اماں کہاں ہیں؟" سامعیہ سے پانی لیتے اس نے نظر نہ آنے والی اماں کے متعلق پوچھا تھا۔

"صفیہ خالہ کے گھر گئیں ہیں، چائے بناؤں یا کھانا کھاؤ گی؟" خالی گلاس لیتے سامعیہ کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"چائے لے آؤ، بھوک تو اب ہے نہیں۔" اس کے کہنے پر سامعیہ سر ہلاتے مڑ گئی تھی۔

"آج بھی کچھ نہیں بنا ہر جگہ ٹرائی کر چکی ہوں مگر کہیں کوئی ذرا سی بھی امید نہیں ہے۔" رات وہ دونوں کھلے آنگن میں چاند تاروں کی چھاؤں تلے بیٹھی تھیں جب اس نے مایوسی بھرے لہجے میں حقیقت بیان کی تھی۔

"تم مایوس مت ہو، انشا اللہ جلد یا بدیر کچھ نہ کچھ ہو جائے گا جو بہت بہتر ہوگا۔" سامعیہ کے تسلی دلاتے انداز پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں کچھ نہیں ہوگا، ویسے بھی سچ بولنے یا سچ کا ساتھ دینے کی قیمت تو ادا کرنی پڑتی ہے، تم دیکھنا جیا ایک نہ ایک دن حالات ضرور بدلیں گے؟" سامعیہ کا لہجہ خوش امید تھا، اس نے طنز سے سر جھٹکا۔

"کون بدلے گا؟ بے حس حکمران یا پھر لاپروائی اور بے خبری کا نقاب اوڑھے کہولو کے بیل جیسی زندگی گزارتی عوام، یا پھر قوم کے وہ سچے لیڈر جو بڑے بڑے دعوے اور باتیں ضرور کرتے ہیں، انقلاب کی، نظام تو بدلنے کی، پہلا قدم کون بڑھائے گا؟ مسئلہ پتہ ہے کیا ہے جیا؟

اس قوم کے پاس لیڈر نہیں ہے ایسا لیڈر جو اسے اس کی طاقت سے آگاہ کرے، کیونکہ جس دن اس قوم کو اپنی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا پھر کوئی شخص کبھی بھی اسے بیوقوف بنانے کی ہمت نہیں کر سکے گا، ہم نظام کے ڈسے ہوئے ہیں جیا، ہم ایسے قیدی ہیں جن کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں مگر جن کے ذہن اور سوچ اسی فرسودہ نظام کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ہم آج بھی غلام ہیں، ان فرسودہ رسموں رواجوں کے، ہم نے کل بھی یہی فرض کر رکھا تھا کہ اقتدار امیر کے پاس اور اطاعت غریب کے ہاں رہے گی، ہم آج بھی یہی مانتے ہیں، اس ملک میں بڑا المیہ یہ ہے یہاں جو قانون و آئین کو پاؤں کی ٹھوکروں میں رکھتے ہیں وہی اقتدار کی مسند پر بیٹھے ہیں اور جو ان کی پاسداری کرتے ہیں وہ آج بھی دھکے کھاتے اور دو وقت کی روٹی کے لئے پریشان پھیرتے ہیں، مگر ایسا کب تک چل سکتا ہے؟ کب تک چلے گا؟ وقت بدلنا چاہیے وقت کو بدلنا ہوگا، اقتدار اور اختیار امیر کے پاس نہیں اہل کے پاس ہو تبھی نظام بدل سکتا ہے اور اس ملک کا نصیب بھی اور میں پرامید ہوں جیا، کہ وہ وقت بس آیا ہی چاہتا۔" سامعیہ کی بات پر اس نے دل سے آمین کہتے آنکھیں موند لیں تھیں۔

☆☆☆

بابا جان بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ اسلام آباد سے لوٹے تھے، اعظم شہریار کی پارٹی کے ساتھ مفاہمت ہو گئی تھی، اس کی پارٹی کو وزارتیں بھی مل گئیں تھیں اور انہیں پانچ سال تک اقتدار کے مزے لوٹنے کو ان کی حمایت پرانی رنجش پرانے اصولوں اور نظریوں کے ساتھ ہی مدفن ہو چکیں تھیں اور اب نئے تعلقات، نئے اعلانات اور خیر سگالی کے جذبات، بابا جان اعظم شہریار اکٹھے ہی اسلام آباد سے واپس لوٹے تھے اکٹھے ہی اعظم شہریار کے فارم ہاؤس پر کھانا کھایا تھا، چائے پی تھی اور آئندہ کے سیاسی حالات پر سیر حاصل گفتگو بھی کی تھی، بہرحال جو بھی تھا ضرغام کے لئے ان دونوں کے خوشگوار تعلقات سودمند ہی تھے، وہ بابا جان کے پاس بیٹھا تھا اور وہ اعظم شہریار سے فون پر محو گفتگو تھے، ضرغام ہولے سے مسکرایا۔

"واہ رے سیاست، انوکھے ترے رنگ، نرالے تیرے کھیل، جنہیں رشتہ داری قریب نہ کر پائی تھی انہیں کرسی قریب لے آئی تھی۔"

"ضرغام یہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟" بابا جان فون بند کیے اس کی طرف متوجہ تھے وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"اعظم صاحب کے خلاف انکوائریاں کرتے پھر رہے ہو۔" انہوں نے اپنے مخصوص دبنگ انداز میں استفسار کیا تھا اور آج سے چند دن پیشتر اگر بابا جان تک ایسی کوئی چیز پہنچی تو ان کا ردعمل کیا ہوتا وہ اسے شاباشیاں دیتے، کندھے تھپکاتے اپنی طرف سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے اس خبر کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا سوچ رہے ہوتے، اس کے ذہن میں بے اختیار یہ سوچ آئی تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے بابا جان، دراصل چند ماہ پہلے ہی مجھے ایک اہم کیس سونپا گیا تھا، جسے مکمل رازداری سے حل کرنے کی شرط کے ساتھ، میں نے پوری دیانتداری کے ساتھ کیس حل کرنے کی کوشش کی ہے، اب چھ لوگوں میں اگر اعظم شہریار کا نام آ رہا ہے تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" اس نے انتہائی مختصر ترین الفاظ میں ان تک بات پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

"اگر ایسا تھا بھی تو تمہیں اس کے نام کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

رپورٹ میں نہیں لکھنا چاہیے تھا اور نہیں تو اپنی رشتہ داری کا ہی خیال کر لیتے، پولیس والوں کے پاس تو ویسے ہی بڑے طریقے ہوتے ہیں، بے گناہ کو گناہگار اور گناہگار کو بے گناہ ثابت کرنے میں۔'' اس کے باپ نے سگریٹ سلگاتے عام اور لاپرواہ لہجے میں جو مشورہ دیا تھا اسے اس پر حیرت نہیں ہوئی تھی، حیرت تب ہوئی جب وہ اپنے باپ کو جانتا نہ ہوتا وہ انہیں بہت اچھی طرح جانتا تھا، اسی لئے دانستہ اس نے فرض اور اپنی ایمانیداری جیسی چیزوں کا ذکر نہیں کیا تھا اسے معلوم تھا یہ چیز اس کے باپ کو سیخ پا کر دے گی۔

''یہ میرے بس میں نہیں تھا کیونکہ میرے ساتھ کیس کی معاونت دو اور لوگ بھی کر رہے تھے۔'' اس نے وہ بات کی جو اس کے باپ کو مطمئن کر سکتی تھی، مگر بجائے مطمئن ہونے کے وہ ہنسنے لگے تھے۔

''تمہیں پتہ ہے ضرغام تمہارا باپ ایک دن میں کتنے لوگوں کو خریدتا ہے؟''

نہیں اسے معلوم نہیں تھا، اسے معلوم کرنا بھی نہیں تھا۔

''بہرحال اب اس مسئلے کو ختم کرو۔'' انہوں نے اپنے تئیں بات ختم کی تھی۔

''آئم سوری بابا جان، مگر اب یہ میرے بس کی بات نہیں، بات بہت اوپر تک جا چکی ہے۔''

☆☆☆

وہ پچھلے پندرہ منٹ سے مغوی کا نمبر ملا رہا تھا اور پچھلے پندرہ منٹ سے ہی ایک ہی جواب کی تکرار ہو رہی تھی۔

''آپ کا مطلوبہ نمبر بند ہے۔''

''کیوں بند ہے؟'' اس سوچ نے اس کے ذہن کا گھیرا کر رکھا تھا، جواب ندارد اور الجھن بڑھتی جا رہی تھی، اگلے آدھے گھنٹے تک وہ مزید ٹرائی کرتا رہا اور وہی جواب سنتا رہا تھا، صبح آنکھ کھلتے ہی اس نے پہلا کام مغوی کا نمبر ڈائل کرنے کا کیا تھا اور وہی جواب سن کر اس کا دل چاہا تھا وہ سیل اٹھا کر دیوار پر دے مارے، دس منٹ میں وہ تیار ہوا تھا اور پندرہ منٹ میں آفس پہنچا تھا اور آفس آنے کے بعد بھی اس نے پہلا کام وہی کیا تھا جو وہ کل رات سے مسلسل کر رہا تھا۔

ایک دو تین اب تو گنتی بھی یاد نہیں تھی، کچھ لمحے سوچتے رہنے کے بعد اس نے اعظم ولا کا نمبر ڈائل کیا تھا، فون کسی ملازمہ نے اٹھایا تھا۔

''مغوی بی بی کو بلاؤ۔'' اس نے تحکم آمیز لہجے میں کہا تھا اور دوسری طرف ایک پل کو خاموشی چھائی تھی۔

''مغوی بی بی ایدر نیں ایہہ۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے الجھن بھرے تاثرات کے ساتھ پوچھا تھا۔

''کہاں ہے وہ؟'' یہ ام کو نیں پتہ، پر وہ ایدھر نیں ایہہ۔'' یہ کہتے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا تھا وہ حیران پریشان بیٹھا رہ گیا تھا، اس نے اگلا نمبر اعظم شہریار کا ڈائل کیا تھا۔

''آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا کچھ دیر بعد ٹرائی کیجئے۔'' وہ پریشانی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، اگلے دس منٹ بعد اس کی گاڑی اعظم ولا کی جانب گامزن تھی۔

☆☆☆

''مغوی کہاں ہے اور کیوں ہے اس کا جواب میرے پاس ہے اور وہ وہاں کب تک رہے گی اس کا جواب تمہارے پاس ہے۔'' سفید کلف لگے سوٹ میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کے بیٹھے اعظم شہریار نے اس کے چہرے پر پھیلی بے

اطمینانی کو غور سے دیکھتے اطمینان سے کہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' اس کی آرام و سکون سے کی گئی بات کا مفہوم قطعاً اس کے پلے نہیں پڑا تھا۔

''بیٹھو آرام سے، سکون سے چائے وغیرہ پیو، مطلب بھی بتائے دیتے ہیں، جلدی کس بات کی ہے ضرغام صاحب۔'' سرد سے لہجے میں کہتے وہ چائے کے لوازمات لاتے ملازم کی طرف متوجہ ہوا تھا، ضرغام الجھتا ہوا بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ رات بے حد طویل تھی، سیاہ تھی اور سرد تھی اور اسی طویل سیاہ اور سرد رات میں کھڑا وہ اپنے زندگی میں اچانک در آنے والے اس طوفان پر ششدر کھڑا تھا، اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں تھیں، اسے لگتا تھا اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، زندگی اسے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی، اسے فیصلہ کرنا تھا اور ابھی کرنا تھا، دو چیزیں، دو راستے ایک دوسرے سے بالکل الگ اور مختلف، سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو چکا تھا، مگر جوں جوں رات بیت رہی تھی، فیصلے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا، اس نے ایک گہری طویل سانس لے کر خود کو کمپوز کیا، انگلیوں کی مدد سے دکھتی آنکھوں کو دبایا پھر جیب میں موجود سفید کاغذ نکال کر ایک بار پھر سے پڑھا، اس چیز نے اسے فیصلہ کرنے میں آسانی دی، کاغذ تہہ کر کے اس نے دوبارہ جیب میں ڈالا اور پھر سیل نکال کر مطلوبہ نمبر ڈائل کیا۔

''کہیے ضرغام صاحب کیا کہتے ہیں؟'' دوسری طرف سے چھوٹتے ہی سوال ہوا تھا۔

''میں تیار ہوں۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

☆☆☆

آفس کی بلڈنگ سے باہر آتے ہی اس نے سامعیہ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ہاں سامعیہ یار بہت اچھی خبر ہے مجھے جاب مل گئی ہے۔'' سامعیہ کے ہیلو کے جواب میں اس خوشی سے کھنکھتے لہجے میں جو بات بتائی اس نے سامعیہ کو بھی دل سے خوش کر دیا تھا۔

''رئیلی یار یہ تو بہت بہت زیادہ خوشی کی خبر ہے مبارک ہو۔''

''خیر مبارک مگر ابھی اماں ابا کو نہ بتانا میں خود آ کے انہیں یہ خوشخبری دوں گی۔'' وہ پارکنگ ایریا سے باہر نکلتے اسے ہدایت دینا نہ بھولی تھی۔

''او کے۔'' سامعیہ فوراً راضی ہوئی تھی اس نے خدا حافظ کہہ کر موبائل پرس میں ڈال تھا اور ٹھیک اسی لمحے سیاہ کرولا اس کے قریب آ کے رکی تھی۔

اس کا نجانے کتنی دیر سے تاریکیوں میں ڈوبا ذہن روشن ہوا تھا اس نے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ خود کو اس نیم تاریک کمرے میں قید پایا تھا، کتنی ہی دیر تو وہ خالی خالی نظروں سے اپنے اردگرد کو دیکھتی رہی تھی، اسے سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا وہ کہاں ہے اور جہاں ہے وہاں کیوں ہے؟ اس نے ذہن پر زور ڈالا تھا اور اس کے دماغ میں زوردار جھماکہ ہوا تھا۔

پچھلے دو دن سے وہ بھوکی پیاسی وہاں قید تھی رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکیں تھیں اور چیخ چیخ کر گلا بیٹھ چکا تھا، ابا اماں اور سامعیہ سوچ کی ہر پرواز انہی تینوں تک جا پہنچی تھی اور اس کی آنکھوں سے پھر سے سیل رواں ہو جاتا تھا، کیا سوچا ہو گا انہوں نے کہ وہ کہاں گئی، کہاں کہاں ڈھونڈا ہو گا، کس کس سے پوچھا ہو گا؟ کیا وہ اب تک مایوس ہو گئے ہونگے؟ اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا، مگر صرف ایک اس بات پر نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے اعتماد اور بھروسے کے ٹوٹنے پر بھی، چوٹ وہاں سے لگی تھی جہاں سے وہ مر کر بھی تصور نہیں کر سکتی تھی، دروازے کا لاک کھولا تھا، اس کی نظریں اس کی سمت نہیں اٹھیں تھیں، وہ جانتی تھی کہ کون ہوگا، وہ پہلے خود اندر آیا تھا پھر اس کے پیچھے ٹرے اٹھائے عمر رسیدہ عورت، عورت نے تازہ ٹرے رکھی اور کل کی رکھی ان چھوئی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی تھی اس کے جاتے ہی وہ آہستہ روی سے چلتا عین اس کے سر پر پہنچ گیا تھا، وہ یونہی نظریں پھیرے بیٹھی رہی تھی، وہ ذرا سا آگے ہوتا اپنا ٹراوزر کھینچ کر اس کے روبرو بیٹھ گیا تھا، جیا نے نظریں گھما کر اسے دیکھا تھا، وہ چند لمحے اس کی زخم زخم آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر سر جھکا لیا تھا اور وہ تڑپ کے رہ گئی تھی، وہاں سوال تھے جیا فاروق کے چہرے پر اس کی آنکھوں میں، اس کمرے میں ہر جگہ، سوال تھے بے شمار تھے اور یہاں وہاں بکھرے تھے۔

''زندگی میں ہر انسان کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی جگہ کسی نہ کسی چیز کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے، مجبوری میرا دل ہے۔'' سر جھکائے نظر جھکائے اس نے کہا اور پھر اٹھ گیا تھا، اس کے پاس سوال چھوڑ کر، اپنے جواب سمیٹ کر۔

☆☆☆

وہ آفس سے گھر پہنچا تو خاصا تھک چکا تھا اور بھوک بھی لگ رہی تھی، ملازمہ کو کھانے کا کہہ کر وہ اپنے روم میں فریش ہونے چل دیا تھا، وہ فریش ہو کے نکلا تو ملازمہ کھانے کی ٹرے لئے منتظر تھی، گرم گرم کھانا اس کی بھوک بڑھا گیا تھا، اس نے تازہ اور نرم روٹی کا نوالہ توڑا پالک گوشت اس کی فیورٹ ڈش تھی اور آج سوئے اتفاق وہی بنی ہوئی تھی روٹی کے ساتھ سالن لگا کر اس نے نوالہ منہ کی طرف بڑھایا مگر ہاتھ راستے میں ہی رک گیا تھا، اسے بے اختیار ہی کسی اور کی بھوک یاد آ گئی تھی، پپڑی زدہ ہونٹ، گہرے حلقوں والی آنکھیں اور زرد چہرا، اس کے تصور میں آیا تھا اور اس کی بھوک مر گئی تھی۔

☆☆☆

وہ پچھلے ایک ہفتے سے ضرغام عباس کی قید میں تھی اور اسے علم نہیں تھا وہ وہاں کیوں ہے مگر اب اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اسے سمجھ آ گیا تھا وہ جہاں ہے وہاں کیوں ہے، ضرغام عباس نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا فقط ایک چیز کے وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہے تو ضرغام اس کا دل دولت پہ مرتا تھا، اس نے بے اختیار ہو کے سوچا اسے خبر نہیں تھی ضرغام عباس کا دل مغوی شہریار پر مرتا تھا، وہ اسے دولت کے ہاتھوں بکا ہوا سمجھ رہی تھی، وہ نہیں جانتی تھی وہ محبت کے ہاتھوں بکا ہے۔

''زہے نصیب دیکھیے تو مس جیا قدرت نے آپ سے ملاقات کا کیسا موقع دان کیا ہے۔'' عین اس کے سامنے کرسی رکھ کر وہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر سگریٹ جلایا تھا۔

سگریٹ کا گہرا کش لیتے وہ اس کی بے بس حالت کا بھی مزہ لے رہا تھا، ضرغام ان دونوں سے کچھ فاصلے پر موجود کھڑکی کے رخ چہرا کیے کھڑا تھا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی اعظم شہریار اس طرح کی گھٹیا حرکتیں کرتے ہوئے۔'' اس کے خون میں اس شخص کو دیکھتے ہی شرارے پھوٹنے لگتے تھے اور زبان انگارے برسانے لگتی تھی۔

''ہاہاہا شرم؟ بھئی وہ کہاں سے ملتی ہے مجھے تو کچھ معلوم نہیں کیوں ضرغام تمہیں کچھ خبر ہو؟'' اعظم شہریار نے رخ موڑ کر اسے مخاطب کیا تھا اس نے پیچھے پلٹ کے دیکھا تو اعظم نے آنکھ سے گھٹیا سا اشارہ کیا تھا اس کا چہرا لمحوں میں سرخ ہوا تھا، ویسے بھی وہ کتنی مشکل سے برداشت کیے ہوئے تھا وہی جانتا تھا۔

''خدا کے انصاف اور قہر سے ڈرو اعظم شہریار۔'' اس بے بس حالت میں بھی وہ بپھری شیرنی کا سا روپ دھارے ہوئے تھی، اس کی بات نے اعظم شہریار کے چہرے پر بدمزہ سے تاثرات پھیلے تھے۔

''ایک تو تم جیسے بے بس ولاچار لوگوں کا یہ بڑا مسئلہ ہے جب خود کچھ نہیں کر سکتے تو خدا کے قہر اور انصاف کے ڈروا دینے لگتے ہو، مگر سویٹ ہارٹ آج میرا ڈرنے کا بالکل موڈ نہیں ہے، آج تو کچھ پچھلے حساب کتاب کلیر کرنے کا دن ہے اور میرا کچھ انجوائے کرنے کا موڈ ہے، یو نو انجوائے؟'' اس کا بے باک معنی خیز لہجہ، وہ لمحوں میں ڈھیلی پڑی تھی اور اسے لگا تھا اس کے جسم سے جان اب نکلی کے تب، بے بسی کے شدید احساس تلے دب کر وہ بے اختیار ہو کے رو دی تھی اور ضرغام عباس کو لگا تھا وہ مزید اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکے گا، وہ آج کے بعد کبھی خود سے آنکھ نہیں ملا پائے گا وہ اب کسی عورت کے سامنے سر نہیں اٹھا پائے گا، جیا فاروق نے نگاہ گھمائی، چاروں جانب اپنا کوئی حمایتی مدد گار ڈھونڈنا چاہا، وہاں کوئی نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا، مگر وہاں ہی تو کوئی تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا۔

''اللہ۔'' اس کے دل نے شدت سے پکارا تھا اور جب کوئی یوں بے بس ولاچار ہو کے دل کی گہرائیوں سے اسے پکارتا ہے تو اس کی پکار سن لی جاتی ہے اس کی بھی سن لی گئی تھی، شارٹ نوٹس پر ہونے والی پارٹی کی ہنگامی میٹنگ، اعظم شہریار کو بہت جلدی جانا پڑ گیا تھا، ویسے بھی اس کا مقصد یہ نہیں کچھ اور تھا۔

☆☆☆

اسپیشل ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں لئے وہ بے حد مطمئن انداز میں بیٹھا گھونٹ گھونٹ انجوائے کر رہا تھا، اس کے لبوں پر اطمینان دلاتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں ڈولتا فتح کا خمار بہت واضح تھے، اس کے چہرے پر ایسی ہی چمک تھی جو کسی بھی فاتح کے چہرے پر ہوتی ہے، یا کسی اسے فلم ڈائریکٹر کے چہرے پر جس کی بنائی فلم میں ہر چیز اس کی حسب منشا ہو اور اسے اپنی فلم کی کامیابی کا سو نہیں ایک سو ایک فیصد یقین ہو، ایسا ہی یقین اسے بھی تھا، اس اسکرپٹ پر جو اس نے خود ہی لکھا تھا خود ہی ڈائریکٹ کیا تھا اور سونے پہ سہاگہ ہر چیز بالکل ویسے ہی ہوتی چلی گئی تھی جیسے اس نے چاہا تھا، وہ اعظم شہریار تھا، سیاست اور بساط کا بہت پرانا اور منجھا ہوا کھلاڑی۔

وہ زندگی کو اپنے اصولوں کے مطابق چلانے کا عادی تھا، اس کے اپنے اصول تھے اپنے ضابطے تھے اور اس کے لئے وہی حرف آخر تھے اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو ہار کو جیت میں بدل دینے کا ہنر رکھتے ہیں، وہ تصویر میں ایک آدھ نقطہ نہیں پورے کا پورا منظر بدل دینے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ کامیاب رہتا تھا اس لئے نہیں وہ کامیابی کا جذبہ رکھتا تھا، اس لئے کیونکہ وہ کامیابی تک پہنچنے کے لئے ہر ناجائز وہ جائز چیز کو اپنے لئے جائز سمجھتا تھا، مغوی شہریار اس کی چھوٹی لاڈلی بہن وہ اسے اپنی سگی اولاد جیسا ہی سمجھتا تھا آج تک مغوی کی کوئی ایسی ضد، فرمائش اور خواہش نہیں تھی جو منہ سے نکلی ہو اور پوری نہ ہوئی ہو مگر جب اس کے منہ سے ضرغام عباس کا نام نکلا، اسے لگا وہ اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں کر سکے گا، بہت پہلے ہی وہ مغوی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

رشتے کی زبان چچا فرید کو دے چکا تھا اور اگر نہ بھی دیتا تب بھی ضرغام عباس آغا علی عباس کا بیٹا تھا اس کے سیاسی مخالف اور حریف آغا علی عباس کا بیٹا، نہیں کبھی نہیں، اس کا جواب اٹل تھا مگر مغوی کے رونے دھونے، بھوک ہڑتال اور جذباتی بلیک میلنگ، وہ مان گیا مگر کیا دل سے بھی مان گیا تھا، ہرگز نہیں، ایک بات تو طے تھی مغوی کی شادی چچا فرید کے بیٹے سکندر فرید سے ہونا تھی، ضرغام عباس سے نہیں، مگر چیزیں ابھی اس کے حق میں تھیں انہیں اپنے حق میں کرنا تھا۔

☆☆☆

ضرغام عباس اور جیا فاروق احمد دونوں ہی اپنے پیشے سے مخلص تھے دونوں ہی ایماندار تھے دیانت دار تھے اور فرض شناس تھے، یہ ساری اچھی چیزیں تھیں، مگر وہ دونوں اس کے خلاف تھے یہ اچھی چیز نہیں تھی، جیا فاروق معمولی معافی وہ اس کے خلاف اعظم شہریار کے خلاف سچ لکھنے چلی تھی۔

''ہونہہ، اور ضرغام عباس احسان بخش مڑرڈ کیس میں اس کے خلاف انکوائریاں کرتا پھیرتا ہے اور حد تو یہ کہ اسے نامزد بھی کر دیتا ہے، بنا کسی تعلق داری کے لحاظ کے، تو ٹھیک ہے قرض رکھنے والوں میں سے تو وہ بھی نہیں یہ دو لوگ تھے جن سے اسے نمٹنا تھا مگر اکیلے اکیلے کیوں؟ اکٹھے کیوں نہیں۔''

''میں رشتہ داریوں کو اپنے فرض پر حاوی نہیں ہونے دیتا۔'' ضرغام عباس کے الفاظ اس تک پہنچ گئے تھے۔

''ٹھیک ہے وہ رشتے داریاں اپنے فرائض پر حاوی نہیں ہونے دیتا اچھی بات ہے مگر معاملہ اب رشتے داریوں کا نہیں محبت کا تھا اور اب اسے دیکھنا تھا محبت فرض اور ضرغام عباس کے درمیان حائل ہوتی ہے یا نہیں۔''

مغوی کو اس نے کوٹھ میں مورے کی خراب طبیعت کا بتا کر بہ عجلت روانہ کیا تھا، اس نے اتنی جلدی مچائی تھی کہ وہ اپنا سیل بھی ساتھ لے جانا بھول گئی تھی اور حویلی میں اس نے مغوی کو فون استعمال نہ کرنے دینے کی سختی سے تاکید کر دی تھی اور اب اسے انتظار تھا ضرغام عباس کا، وہ آیا تھا اور پریشان چہرا لئے آیا تھا، مغوی سے رابطہ نہ ہونے پر وہ بے کل تھا بے چین تھا، اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ رات ٹھیک سے سو نہیں پایا، اس نے آتے ساتھ ہی مغوی کے متعلق پوچھا تھا۔

اس کی بات سن کر وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

''ایک منٹ ضرغام صاحب آرام سے، جوش سے نہیں ہوش سے کام لیں، کیوں کے آپ کو اس وقت اس کی ضرورت ہے گھر جائیں اور سکون سے تسلی سے سوچیں، آپ کے پاس کل صبح تک کا وقت ہے۔''

''ضرغام لالہ میری شادی زبردستی کروا دیں گے انہوں نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے وہ مجھے کسی سے ملنے بھی نہیں دے رہے، پلیز ضرغام کچھ کرو، میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔'' یہ اور چند اور اس جیسے الفاظ اور جملے مغوی کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھے ہوئے اس تک پہنچے تھے اور وہ مزید برداشت نہیں کر پایا تھا، اس نے اعظم شہریار کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا تھا، لوگ دولت کے لئے اسی کو اغواء کرتے ہیں، دشمنی کے نام پر کرتے ہیں وہ پہلا شخص تھا جو محبت کے لئے ایسا کر رہا تھا، اس نے جیا فاروق کی عزت پر مغوی شہریار کی محبت کو ترجیح دی تھی، اسے خبر نہیں تھی اس نے کتنا غلط کر دیا تھا، غلطیاں تو سب ہی کرتے ہیں مگر کچھ لوگ ناقابل تلافی غلطیاں کر دیتے

ہیں ضرغام عباس کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

کھیل یہاں ختم نہیں ہونا تھا، کھیل تو ابھی بہت آگے تک جانا تھا، کل صبح..... کل صبح تک اسے انتظار کرنا تھا اور شروعات کی طرح اختتام بھی اس کی عین مرضی کے مطابق ہونا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور سونے چل دیا تھا۔

وہ سوئمنگ پول کے نیلگوں پانیوں پہ نگاہ جمائے ساکت بیٹھا تھا اور اس کی ہر سوچ جا کر جیا فاروق پہ ختم ہو رہی تھی، یہ کیا کر دیا تھا اس نے اس کے ساتھ، ایک عورت کی محبت میں وہ اتنا پاگل ہو گیا تھا کہ اس کو کھونے کے ڈر سے اس نے دوسری عورت کی زندگی ہی تباہ کر دی تھی، اپنی محبت کی قیمت اس نے کسی دوسرے کی عزت سے چکائی تھی، نہیں وہ ایسا نہیں تھا، وہ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟

رات ساڑھے بجے کا وقت تھا جب ہارون اطہر نے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو غصے، حیرت، دکھ اور تاسف کے ملے جلے احساسات کے ساتھ دیکھا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کوئی اتنا بے وقوف کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ اس وقت خاصی ریش ڈرائیونگ کر کے اس تک پہنچا تھا اور اب اسے آڑے ہاتھوں لے رہا تھا۔

''شکر کرو کہ میری سورس آج کام آ گئی ہے ورنہ تم نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے والد صاحب اور خاندان کی عزت ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، تم جانتے ہو تمہارے ساتھ انہوں نے کیا کیا ہے؟'' اس کے سوال پر وہ سر جھکا کر رہ گیا تھا۔

''اس شخص نے چوہے دانی لگائی ہے اور تم اس چوہے دانی میں پھنس چکے ہو ضرغام، تمہاری مکمل خبر گیری کی گئی ہے اور صبح فلیٹ پر چھاپہ پڑنے کا سو فیصد امکان ہے، ان لوگوں کے پاس تمہاری اور اس لڑکی کی تصویریں ہیں اور وڈیو ٹیپ اور تو اور انہوں نے تم دونوں کی فیک میڈیکل رپورٹس تک بنوا لیں ہیں وہ تم پر اور اس لڑکی پر حد لگوانا چاہتے ہیں اور آگے تم خود سوچ لو، کہ یہ سارا اسکینڈل تمہیں اور تمہارے خاندان کو کہاں لا کھڑا کرے گا؟'' ہارون اطہر ایک لمحہ کو خاموش ہو کر اسے سوچنے کا موقع دیا، وہ سر جھکائے اب بھی چپ تھا۔

''اور اب اس سارے مسئلے کا ایک ہی حل ہے، تم اس لڑکی سے نکاح کر لو ضرغام، آج اور ابھی۔''

☆☆☆

وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی جب وہ اندر داخل ہوا تھا، نظر جھکائے وہ روز کی طرح آج بھی اس کے روبرو آ بیٹھا تھا، اس نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی اور پھر سے اپنے ہاتھوں پر جما دی تھی۔

''مجھ سے شادی کرو گی جیا فاروق احمد۔''

دفعتاً اس کی سرگوشی نما آواز گونجی تھی اور اسے ساکت کر گئی تھی۔

''ہر کام ویسے نہیں ہوتا جیسا ہم چاہتے ہیں بلکہ ویسے ہوتا ہے جیسے ہمارا رب چاہتا ہے اور یقیناً ہمارا رب ہی بہتر چاہتا ہے۔''

اعظم شہریار کی چال ناکام ہو گئی تھی اور وہ اب زخمی شیر کی طرح بلبلا رہا تھا۔

''ایسے تو نہیں چھوڑوں گا تمہیں ضرغام عباس، ایک کاغذ کے ٹکڑے کے باعث تم مجھ سے نہیں جیت سکتے۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ سیل پر نمبر ملا رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"معروف سیاستدان اور وفاقی وزیر آغا علی عباس کے بیٹے ایس پی ضرغام عباس کا لوئر مڈل سے تعلق رکھنے والی جیا فاروق احمد سے خفیہ نکاح۔" خبر بمباسٹک تھی بریکنگ تھی اسی لئے ہر نیوز چینل نے بریک کی تھی، وہ ایک ہاتھ میں ریموٹ پکڑے ہر سیکنڈ بعد چینل تبدیل کرتے دوسرے ہاتھ سے مسلسل اس کا نمبر ملانے میں مصروف تھے اور اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا، بی جان بہت خاموشی سے ٹی وی سکرین پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی، ابھی سے کچھ دیر پہلے ہی وہ انہیں اور ان کی تربیت دونوں کو خراج تحسین پیش کر چکے تھے۔

"یاد رہے ضرغام عباس معروف سیاستدان اعظم شہریار کی بہن مغوی شہریار سے منسوب تھے اور عنقریب دونوں شادی کے بندھن میں بندھنے والے تھے۔" نیوز کاسٹر پوری دل جمعی سے تفصیلات سنانے میں مگن تھی، انہوں نے ایک قہر بھری نظر خوش پوش حسینہ پر ڈالی تھی، یوں جیسے وہ ان کی نظروں سے ہی ان کے اندر کا حال جان لے گی اور خاموش ہو جائے گی۔

"ہم دونوں خاندانوں سے رابطہ کرنے کی کوشش میں ہیں جیسے ہی مزید تفصیلات سامنے آتی ہیں ہم اپنے ناظرین کو آگاہ کرتے رہیں گے، فی الحال ایک بریک لیتے ہیں۔" انہوں نے ٹی وی آف کیا اور ایک بار پھر اس کا نمبر ملانے لگے تھے۔

ضرغام نے خود میڈیا کے سامنے آ کر اپنی اور جیا کے نکاح کا اعتراف کیا تھا اور اس شادی کی وجہ پسندیدگی اور محبت بتائی تھی، کھیل ہی ختم، انہوں نے ٹی وی پر نظر آتے ضرغام کو دیکھ کر دانت پیسے تھے، ان کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ترجمان کے ذریعے اس خبر کی تردید کروا دیں گے اور اسے دشمنوں اور بدخواہوں کا پروپیگنڈہ قرار دیں گے مگر ضرغام نے ان کی سوچوں پر پانی پھیر دیا تھا، ایک بار ان کے سامنے آ جائے سارا عشق ناک کے راستے نکال دیں گے، انہوں نے تنفر سے سوچا تھا۔

☆☆☆

بی جان نے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں کی نمی صاف کی اور تاسف سے اسے دیکھا۔

"تو یہ جانتا تھا ضرغام کہ عزت اہم ہوتی ہے کاش تو یہ بھی جانتا ہوتا کہ عزت سب کی اہم ہوتی ہے اور سب کے لئے اہم ہوتی ہے۔" اس کا سر مزید جھکا تھا۔

"میں جانتا ہوں بی جان میں نے غلطی کی ہے اور میں اس پر شرمندہ بھی ہوں۔" اس نے اعتراف کیا تھا لہجہ شرمندگی بھرا تھا۔

"صرف شرمندہ ہونا ہی اہم نہیں ہے ضرغام عباس، غلطی کی ہے تو مداوا کرنا بھی سیکھو۔" بابا جان کے کڑکتے لہجے پر اس نے مڑ کر دیکھا تھا، وہ دونوں بازو پیچھے باندھے اسے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

"مجھے تم سے محبت ہے۔" اس کے لفظوں میں آج بھی وہی اثر تھا وہی سچائی تھی اور وہی خوشبو تھی مگر سامنے بیٹھی ہستی کی آنکھوں میں آج بے اعتباری تھی اور اس بے اعتباری کو دیکھنے اس کو اندر سے کسی چیز نے کاٹا تھا، یہ عورت ہے جس کے لئے اس نے اپنے گھر والوں کی مخالفت مول لی تھی، یہ عورت ہے جس سے وہ اندھا عشق کرتا ہے یہ عورت ہے جس کی محبت میں وہ ہر حد پھلانگ گیا تھا، جس کے ساری زندگی اپنے ضمیر کی مار سہنے کو تیار تھا اور یہی عورت اسے بے اعتبار نظروں سے دیکھ رہی تھی، ساری دنیا اس کا اعتبار

نہ کرتی اسے پرواہ نہیں تھی مگر ایک یہ عورت اس پر اعتبار کرتی، وہ اسے جانتی تھی وہ اسے سمجھتی تھی، یہ اس کے دعوے تھے، اس کے دعوے کتنے بودے تھے اور دوسری طرف بیٹھی وہ بھی دکھ کے جنگلوں میں بھٹک رہا تھی اور یہ مرد ہے اور پرت در پرت ہے، یہ مرد جسے میں نے جب سے دیکھا میں نے اور کچھ نہیں دیکھا، اسے جانا تو باقی کسی چیز کو جاننے کی خواہش نہیں رہی، جسے میں نے ایک دنیا کی مخالفت مول کر اپنانا چاہا اور یہ مرد ابھی پچاس لوگوں اور دس کیمروں کے سامنے اعتراف کر آیا ہے اسے جیا فاروق احمد سے محبت ہے اور اب اس سنسان جگہ پر بیٹھا مجھ سے کہہ رہا ہے اسے مجھ سے محبت ہے اور پھر چاہتا ہے میں اس کا اعتبار کروں میں اس کا اعتبار کس طرح کروں؟

"میں تمہیں بیچ میں لے آیا تھا، اس نے درمیان میں تمہاری ذات رکھ دی تھی، وہ کہتا تھا وہ تمہیں مجھ سے چھین لے گا، میں ڈر گیا، میں تمہیں کھونے سے ڈر گیا، تم سے بچھڑنے سے خوف کھا گیا تمہارے بغیر میری ذات، میری بات، میرا آج میرا کل سب ادھورا، میں خود نامکمل، میں اس کی بات کیسے نہ مانتا۔" وہ اسے بتا رہا تھا لفظ لفظ حرف حرف اس کے سامنے کھول رہا تھا اور اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس کی اتنی محبت پر ہنسے یا روئے۔

☆☆☆

سنہری شام پہاڑوں سے اتر آئی تھی جب اس نے کھڑکی کھولی بابا جان اور بی جان لان میں موجود تھے اور آپس میں محو گفتگو تھے، بھی ہلکے سبز کپڑوں میں بالوں کی ڈھیلی ڈھالی سے پونی بنائے میک اپ اور زیور وغیرہ سے پاک چہرا لئے جیا ضرغام عباس نے چائے کی ٹرے لا کر میز پر رکھی تھی، اس نے دیکھا ٹرے میں آج بھی تین ہی کپ تھے، اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ چھلکی بابا جان نے جیا کی طرف جھکتے کچھ کہا تھا، شاید بی جان کو چھیڑا تھا، بھی ان کے چہرے پر مصنوعی خفگی چھلکی تھی اور جیا کے لبوں پر ہلکی سی ہنسی، بابا جان میں آنے والا بدلاؤ ان سب کے لئے حیران کن بھی تھا اور خوش کن بھی، اس نے ایک نظر ان تینوں پر ڈالی اور پھر کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر آ بیٹھا تھا۔

تو طے ہوا محبت میں سب کچھ جائز ہو تب بھی خود غرضی جائز نہیں ہوتی جو لوگ محبت کے نام پر خود غرض ہو جاتے ہیں، ان کی زندگیوں میں باقی ہر شے بھلے موجود رہے خود محبت موجود نہیں رہتی، اس کی زندگی میں بھی نہیں رہی تھی مغوی شہریار نے بھلے اسے معاف کر دیا تھا مگر اب وہ مزید جیا فاروق کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی، مغوی شہریار کے لئے جیا فاروق کا بہت کچھ چھینا گیا تھا، اب مغوی شہریار کے پاس جو کچھ تھا وہ اس نے جیا فاروق کو دان کرنا تھا حساب برابر تو شاید نہ ہوتا مگر اسے کوشش تو کرنی تھی اور جیا فاروقی اس نے اس کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا تو صرف اپنے معذور باپ اور بے بس ماں کے لئے یا شاید اس لئے کیونکہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا، وہ آج بھی اس کے سامنے نظریں جھکائے رکھتا ہے، وہ بار ہا اس سے اپنے کیے کی معافی مانگ چکا ہے اور وہ کہتی ہے، ابھی میرے زخم کچے ہیں ابھی رستے ہیں اور تکلیف دیتے ہیں، ابھی ان پر کھرنڈ آنے میں دن لگیں گے اور ضرغام عباس محو انتظار ہے کب وہ دن آئے جب وہ دل سے اسے معاف کر سکے اور وہ دونوں جو ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ایک ساتھ چل سکیں پتا نہیں کب؟

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM